ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

منٹو کا افسانہ "ٹوبہ ٹیک سنگھ" تقسیمِ ہند کے تناظر میں

MANTO'S SHORT STORY "TOBA TEK SINGH" IN THE CONTEXT OF THE PARTITION OF INDIA

Sumaira Liaqat,
Scholar PhD Department of Urdu, Alhamd Islamic University Islamabad
Dr. Muhammad Sahib Khan,
Assistant Professor Department of Urdu University of Chitral
Arashma Kiran,
Scholar PhD Department of Urdu, Federal Urdu University of Science and Technology Islamabad

Abstract

The theme of "Toba Tek Singh" is Partition of India. Some have also called it 'Indian Independence', which is not correct, because on the one hand, there is a considerable difference in the semantic implications of the Partition of India and the Independence of India, despite the fact that both of these things were possible at the same time: the meaning of one is political and national, while the meaning of the other is dominated by cultural and religious implications. And the national meaning is also not a simple and one-dimensional meaning. Beneath it lie the geographical and religious concepts of nationality that were prevalent during the Indian independence movement.
It is not out of place to raise the question here as to why Manto gave priority to the partition of India over the independence of India in 'Toba Tek Singh'? The simple answer is that the matter of priority is always a matter of values and ideology, but Manto's excellence as a fiction writer is that he adopted an ideological stance in the political and national atmosphere of his era, but did not burden his fiction with this stance. He does not make his fiction an interpreter of ideology or a means of propagating ideology. Here, ideology exists outside the fictional text as a preferential consciousness. And fiction is based on theme
.

Key Words: Manto, "Toba Tek Singh", fiction writer, Partition of India, political, national, geographical, preferential consciousness.

تقسیم کے سانحے نے اردو ادب پر دور رس اثرات مرتب کیے۔ اس سے نہ صرف ہندوستان بلکہ پاکستان کی تاریخ میں نمایاں تبدیلیاں آئیں۔ فرقہ وارانہ فسادات نے سیاسی و سماجی انتشار کو جنم دیا۔ ساتھ ساتھ تہذیبی و اخلاقی انحطاط نے بھی سر اٹھایا۔ سارے لوگ ڈر گئے اور ان پر یہ اثرات نفرتوں کے روپ میں ظاہر ہونا شراع ہو گئے۔ ہند اسلامی مشترکہ تہذیب جو صدیوں سے محبت و یگانگت کا سرچشمہ تھی، اس کو ایک ہی لمحے میں تہس نہس کر دیا گیا۔ اس سے زمینی کرب و اذیت میں اضافہ ہوا۔ ماضی کی حسین یادوں پر یکسرے پہرے بٹھا دیئے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ادیبوں کی اکثریت نے اس سانحے کو کبھی دل سے تسلیم نہیں بلکہ اکثر و بیش تر تو اپنے افسانوں میں تقسیم کے سانحے کی نفی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس تلخی و شرینی کی یادوں نے اُن کی تحریروں میں ابھرنا شروع کیا۔ ان کے افسانوں میں ماضی کے گیت گائے گئے۔ افسانوں میں اگرچہ ہجرت کے اثرات چند برسوں تک برتے گئے لیکن بعد میں انھوں نے ایک بار پھر ماضی پرستی کا لبادہ اوڑھ لیا اور حال کو بھی ماضی کے پس منظر میں دیکھا گیا۔ اکثر افسانہ نگاروں کے ہاں ماضی پرستی کا ایک مستقل رجحان کی حیثیت اختیار کر گئی۔ اس حوالے سے انتظار حسین لکھتے ہیں:

> "پچھلی نسل کی تحریروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے فسادات کو اس عہد کا تجربہ جانا اور اس کو پیش کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ نئے لکھنے والوں کے یہاں عہد کا تجربہ ہجرت کے وسیع تر معنوں میں کیا گیا ہے اور ہجرت مسلمان قوم کی تاریخ میں ایک ایسے تجربہ کا مرتبہ رکھتی ہے جو بار بار اپنے آپ کو دہراتا ہے اور خارجی اور باطنی دکھ درد کے لمبے عمل کے ساتھ ایک تخلیقی تجربہ بن جاتا ہے۔"(۱)

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

انتظار حسین خود بھی ان ادیبوں میں شامل رہے ہیں جنھیں تقسیم کا سانحہ کبھی بھی ہضم نہیں ہو پایا۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہجرت کا تجربہ ایک نئی آگاہی لے کر آیا تھا۔اس سے بہت سی غائب حقیقتیں، گم شدہ نوادر اور نو دریافت عوامل آپس میں ایسے گھل مل گئے کہ ہجرت کا کرب ان کے ذہن سے نہ نکل سکا۔یہی وجہ ہے کہ مختلف افسانہ نگاروں نے اس کرب کو صفحۂ قرطاس پر اتارا۔مختلف وقتوں کے مختلف تجربات نے دونوں ملکوں (بھارت اور پاکستان) میں بسنے والوں ہر اثر ڈالا اور انھیں ذہنی کرب سے دوچار کیا۔اس سانحے پر لکھنے والوں کے حوالے سے انتظار حسین لکھتے ہیں:

> "ترقی پسند ادیبوں نے انسانیت کے نام پر فساد کی مذمت کی۔مگر سعادت حسن منٹو ان فسادات کے واسطے سے معروضی طور پر یہ سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ بحران میں آدمی کا رنگ ڈھنگ کیا ہوتا ہے اور اس کے اندر چھپی ہوئی برائے کس طرح باہر آتی ہے۔ترقی پسند ادیبوں میں فیض احمد فیض نے ایک نظم لکھ کر اپنا فرضِ منصبی ادا کر دیا۔ترقی پسند شاعروں نے اس نظم کو شمع ہدایت جانا اور برسوں اس کی روشنی میں جلتے رہے۔مگر احمد ندیم قاسمی نے سرگرمیوں سے نظمیں اور افسانے لکھے۔وہ جتنے جذباتی ہو رہے تھے، سعادت حسن منٹو اتنا ہی غیر جذباتی بننے کی کوشش کر رہے تھے۔"(۲)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سعادت حسن منٹو نے افسانہ "ٹوبہ ٹیک سنگھ" لکھ کر تقسیم کے حوالے سے اپنے تاثرات پیش کیے۔اس حوالے سے منٹو بھی تقسیم کے خلاف تھے۔ڈاکٹر خالد اشرف اپنی کتاب "افسانے منٹو کے اور پھر بیاں اپنا" میں منٹو کے بارے میں تقسیم کے سانحے کو قبول نہ کرنے کی توجیہہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> "منٹو تقسیم کی منطق کو کبھی تسلیم نہیں کر سکے۔انھوں نے ۱۹۴۷ء کا کہیں بھی آزادی کے عنوان سے نہیں کیا بلکہ ہمیشہ تقسیم کے تعلق سے کیا ہے "شام" کے خاکے میں منٹو نے تقسیم کے زمانے میں ہو رہے فسادات کا تجربہ کرتے ہوئے تحریر کیا تھا کہ اس سوال کے کئی جواب تھے۔ہندوستانی جواب ——— پاکستانی جواب ——— اور انگریزی جواب ——— "غور طلب بات یہ ہے کہ پاکستان میں آباد ہو جانے کے بعد بھی منٹو کے نظام فکر میں ہندوستان مقامِ اول پر برقرار رہا۔"(۳)

منٹو کے افسانوں سے ہمیشہ ہندوستانیوں کے جذبۂ آزادی اور آزادی کے حصول کے لیے سیاسی تحریکوں کے زور و شور اور تقسیمِ ہند و ہجرت کے حوالے سے خاصا مواد ان کے افسانے "ٹوبہ ٹیک سنگھ" میں نظر آتا ہے۔ان کے اس افسانے سے ہمیں ان کے تقسیمِ ہند کے حوالے سے ہونے والے کرب کی تصاویر ملتی ہیں۔

افسانے میں ہجرت کے کرب کو ایک پاگل کی ذہنی اذیت کے حوالے سے محسوس کرایا گیا ہے۔اگرچہ یہ پاگل ہوش و حواس سے محروم ہوتا ہے مگر اس کے دل میں بھی حبِ وطن کا جذبہ موجزن رہتا ہے۔انسان اپنی جنم بھومی سے ٹوٹ کر پیار کرتا ہے اور اس دیس سے جدا ہونے کے بعد اس دیس کے بارے میں اپنے ماضی کی حسین یادوں کے ہی سہارے جینے کی کوشش کرتا ہے۔قید خانے میں ایک پاگل ہے جو پاگل پن سے پہلے کانگریس کا سرگرم رکن رہ چکا ہے۔پاگل ہونے کے بعد خود کو محمد علی جناح کہتا ہے۔اس کا اصل نام محمد علی ہے اس لیے وہ اپنے نام کے ساتھ "جناح" کا صیغہ لگا کر اپنی محبت کا اظہار کر رہا ہوتا ہے۔اسی طرح ایک اور پاگل خود کو ماسٹر تارا سنگھ سمجھ کر مختلف طرح کی سیاسی اور تمدنی تقرویر کرتا رہتا ہے۔افسانے میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب تقسیمِ ہند کا سانحہ ہو جاتا ہے تو لاہور کے پاگل خانے میں سکھ اور ہندو پاگلوں کے عزیز رشتہ دار ان سے بچھڑ کر ہندوستان چلے گئے اور یوں ان کی ملاقاتیوں کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔بعد میں یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ جن پاگلوں کے سبھی رشتہ دار پوری طرح پاکستان سے ہجرت کر چکے ہیں، ان کو بھی ہندوستانی پاگل خانوں کو منتقل کیا جائے۔لیکن دلچسپ صورتِ حال اس وقت پیدا ہو جاتی ہے جب اس فیصلے پر عمل در آمد کا وقت آن پہنچتا ہے۔واقعہ یہ ہے کہ پاگل خانے میں آنے والے لوگوں میں مختلف قسم کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔کچھ نے خود کو زبردستی پاگل ظاہر کرنے کے خود کو تقسیم کے سانحے سے سائیڈ پر کرنے کی کوشش کی ہے اور فرقہ وارانہ فسادات کے ڈر کی وجہ سے پاگل بنے ہوئے ہیں۔کئی ایسے ہیں جن کو رشتے داروں نے اس لیے پاگل خانے میں داخل کرا رکھا ہے کہ اس کی جائیداد وغیرہ پر قبضہ کیا جا سکے۔کئی ایسے ہیں جو کہ سچ مچ کے پاگل ہیں مگر ایسے بھی سو فی صد پاگل نہیں ہیں بلکہ محض حالات کی وجہ سے اس پاگل خانے میں لائے گئے ہیں۔انھیں میں سے ایک وکیل صاحب ہیں۔وکیل صاحب کی کہانی یہ ہے کہ تقسیم کے ہنگاموں اور فسادات میں اس کا خاندان اس سے بچھڑ گیا ہے۔ساتھ ہی اس کی محبوبہ بھی اس سے جدا ہو کر کسی اور پاس چلی گئی ہے، لیکن وکیل صاحب اس بات کو نہیں مانتے۔تیسری بات یہ ہے کہ وہ چوں کہ لاہور میں رہا ہے اس لیے وہ ہندوستان

کے شہر امرتسر میں اپنے رشتہ داروں کے ہاں اس وجہ سے نہیں جانا چاہتا کہ وہاں اس کی وکالت چلے گی کہ نہیں؟ ایک اور پاگل "بشن سنگھ" ہے جو تقریباً ۱۵ سال سے اس قید خانے میں ہے۔ اس قیدی کی حالت یہ ہے کہ یہ ہمیشہ کھڑا رہتا ہے۔ نہ کبھی لیٹتا ہے اور نہ ہی بیٹھتا ہے البتہ کبھی کسی دیوار کے ساتھ کھڑے کھڑے ٹیک لگا لیتا ہے۔ جب تقسیم نہیں ہوئی تھی اس کے رشتہ دار اس سے ملنے آتے تھے لیکن تقسیم کے بعد وہ لوگ ہندوستان ہجرت کرتے ہیں اس وجہ سے بشن سنگھ تنہائی کا شکار ہو جاتا ہے اور پھر اپنی گفتگو میں ہندوستان اور پاکستان کا نام نفرت سے لیتا ہے۔ وہ ٹوبہ ٹیک سنگھ کا رہنے والا ہے۔ جب تقسیم ہو جاتی ہے تو اُسے یہ پتا نہیں چلتا کہ ٹوبہ ٹیک سنگھ کہاں رہ گیا ہے۔ اب وہ بار بار ٹوبہ ٹیک سنگھ کا نام لیتا ہے اور لوگ اسے "ٹوبہ ٹیک سنگھ" کے نام سے مشہور کر دیتے ہیں لیکن کوئی اسے یہ نہیں بتاتا کہ ٹوبہ ٹیک سنگھ کہاں رہ گیا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

> "اس کی بڑی خواہش تھی کہ لوگ آتے جو اس سے ہمدردی کا اظہار کرتے تھے اور اس کے لیے پھل مٹھائیاں اور کپڑے لاتے تھے۔ وہ اگران سے پوچھتا کہ ٹوبی ٹیک سنگھ کہاں ہے تو یقیناً اسے بتا دیتے کہ پاکستان میں ہے یا ہندوستان میں، کیوں کہ اس کا خیال تھا کہ وہ لوگ ٹوبہ ٹیک سنگھ سے ہی آئے ہیں جہاں اس کی زمینیں ہیں۔"(۴)

ایک اور پاگل جو خود کو خدا کہتا تھا، ایک دن بشن سنگھ اس سے پوچھ لیا کہ ٹوبہ ٹیک سنگھ کہاں ہے تو وہ بولا:

> "وہ پاکستان میں ہے نہ ہندوستان میں، اس لیے کہ ہم نے ابھی تک حکم نہیں لگایا۔"(۵)

دلچسپ صورتِ حال اس وقت بن جاتی ہے جب پاگلوں کو قید خانے سے نکال کر گاڑیوں میں بٹھانے کا مرحلہ آیا۔ وہ لوگ یہ جگہ چھوڑنے کے لیے تیار ہی نہیں تھے اور عجیب وغریب حرکتیں کر رہے تھے۔ ملاحظہ ہو:

> "پاگلوں کو لاریوں سے نکالنا اور ان کو دوسرے افسروں کے حوالے کرنا بڑا کٹھن تھا۔ بعض تو باہر نکلتے ہی نہیں تھے۔ جو نکلنے پر رضامند ہوئے تھے ان کا سنبھالنا مشکل ہو جاتا تھا۔ کیوں کہ اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ کوئی گالیاں بک رہا تھا، کوئی گا رہا تھا، آپس میں جھگڑ رہے ہیں، رو رہے ہیں، بک رہے ہیں۔"(۶)

قیدیوں کے تبادلے میں یہ سارا کچھ ہو رہا تھا کہ "بشن سنگھ" کی باری آئی۔ اس نے افسران سے پوچھا کہ "ٹوبہ ٹیک سنگھ" کہاں ہے۔ افسر نے کہاں کہ "پاکستان میں ہے" تو وہ چیخ مار کر اپنے باقی ماندہ ساتھیوں میں شامل ہو گیا۔ افسران نے بھی اُسے سمجھایا کہ ٹوبہ ٹیک سنگھ کو ہندوستان بھیج دیں گے لیکن وہ نہیں مانا۔ رات بھر قیدیوں کے تبادلے کی کاروائی ہوتی رہی۔ صبح سے کچھ دیر پہلے بشن سنگھ ایک زوردارانہ چیخ مار کر گر پڑا۔ اس حوالے سے اقتباس ملاحظہ ہو:

> "سورج نکلنے سے پہلے ساکت وصامت بشن سنگھ کے حلق سے ایک فلک شگاف چیخ نکلی۔ ادھر اُدھر کئی افسر دوڑے آئے اور دیکھا کہ وہ آدمی جو پندرہ سال تک دن رات اپنی ٹانگوں پر کھڑا رہا تھا، اوندھے منہ لیٹا ہوا تھا، ادھر خاردار تاروں کے پیچھے ہندوستان تھا۔ اُدھر والے ہی تاروں کے پیچھے پاکستان، درمیان میں زمین کے اس ٹکڑے پر جس کا کائی نام نہیں تھا، ٹوبہ ٹیک سنگھ پڑا تھا۔"(۷)

افسانے کے اختتام پر نظر ڈالنے سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ تقسیم ہند کا سانحہ ایک کرب کا آغاز تھا جس نے ہر طبقۂ فکر کو غم وفکر میں مبتلا کر دیا تھا۔ نہ صرف یہ کہ وہ لوگ جو باہوش وحواس تھے بلکہ پاگل لوگ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ تقسیم سے ناخوش ادیبوں نے اس حادثے کو ہمیشہ دل میں کرب کی حیثیت سے محسوس کیا اور اس پر اپنی تخلیقات میں کھل کر اظہارِ خیال کیا۔ انھوں نے انسانیت کے نام نہاد ٹھیکے داروں پر طنز کیا کہ وہ کیوں ملک کی تقسیم پر کمربستہ ہیں۔ ملک کو تقسیم کرنا کسی کو بھی قبول نہیں تھا۔

"بشن سنگھ" کے کردار سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ وہ اس تقسیم کے خلاف تھا اور اس نے آخری لمحے تک اس کو قبول نہیں کیا۔ اس نے مرتے وقت بھی اسی جگہ آخری سانس لی تو No Mans land تھا۔ یعنی وہ جگہ نہ پاکستان میں تھی اور نہ ہی ہندوستان میں۔

منٹو کے اس افسانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں تقسم کے فسادات اور ہجرت میں بے گھری کے مسائل کا کس قدر ادراک تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ افسانہ تقسیم کے کرب کے تناظر میں لکھا گیا ہے۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

حوالہ جات

۱۔ انتظار حسین، علامتوں کا زوال، مکتبہ جدید، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۸۳

۲۔ ایضاً، ص ۸۲

۳۔ ڈاکٹر خالد اشرف، افسانے منٹو کے اور پھر بیان اپنا، اشرف بک سیلرز، راولپنڈی، ۱۹۸۹ء، ص ۶۵

۴۔ سعادت حسن منٹو، منٹو کہانیاں، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۱۳۰

۵۔ ایضاً، ص ۱۳۱

۶۔ ایضاً

۷۔ ایضاً، ص ۱۳۴